قطعہ دعائیہ

ہے دعا شمس کی دل سے کہ اے ربِ عباد
رکھ تو دنیا میں ثمینہ و نقی کو دلشاد
سایہ پنجتن پاک رہے دونوں پر
ہر گھڑی ان کو زمانے میں مسرت ہو زیاد

ان کے مقصد کا سفینہ لبِ ساحل پہنچے
ان کے دریائے محبت میں چلے بادِ مراد
گود آباد ثمینہ کی جلدی ہو یا رب
ایک فرزند عطا کر اسے تو پاک نہاد

خضر کی عمر سکندر کا اسے دے اقبال
ان کے گھر کو وہ کرے اپنے قدم سے آباد
اس کے دیدار سے ہوں سب کی نگاہیں روشن
صاحبِ فکر و نظر ہو وہ مثالِ اجداد

ایضاً

یا رب بحقِ سیدو سردارِ انبیاء
آباد اور شاد ثمینہ رہے سدا
کشتِ امید اس کی ہمیشہ ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے
(مصرع انیس)

قطعہ تاریخ

تھا نقی اور ثمینہ کا جو ہم رنگ مزاج
مل گئے دونوں بحکم شرح و حسبِ رواج

سال تاریخ کیا شمس سخنور نے رقم
اقتران مہ و خورشید ہوا باہم آج

۱۹۸۷ء

قطعہ تاریخ

(حادثہ جانکاہ)

(اپنے فرزندِ اکبر محمد مرتضیٰ کی وفات پر)

وہ مرتضیٰ کہاں ہے رشکِ قمر ہمارا
روشن تھا جس کے دم سے ہر بام و در ہمارا

آغوش سے ہماری اس کو اجل نے چھینا
کڑیل جواں ابھی تھا نورِ نظر ہمارا

تاریک ہو گئی ہے دنیائے دوں نظر میں
تاب و توانِ دل تھا مہوش پسر ہمارا

بے درد موت ! تو نے کیسا ستم یہ ڈھایا
پیری میں اس طرح سے دل توڑ کر ہمارا

تاریخ یہ لحد پر لکھ دو سر ولا سے
مدفوں ہے اس جگہ پر لختِ جگر ہمارا

(بہ تعمیہ "واوٗ" ۱۹۹۲ء)

قطعۂ تاریخ

(حادثۂ فاجعہ)

(اپنے پوتے نیرِ عباس کی تاریخِ وفات پر)

کوہِ الم یہ کیسا ایک دم گرا ، خدایا!
نیر کو کھیلتے میں یوں موت نے چھپایا

ماں باپ کی نگاہیں اب اس کو ڈھونڈتی ہیں
کیسا غضب یہ تو نے ، اے آسمان ! ڈھایا

دادا پکارتا ہے ، نیر ! جواب دے دے
آیا ہے باپ تیرا افلاک کا ستایا

غنچہ تھا ناشگفتہ نیر میرے چمن کا
اے دستِ موت ! تجھ کو کچھ بھی نہ رحم آیا

پیری میں دل شکستہ دادا تڑپ رہا ہے
واحسرتا ! نہ اس کو پیغام موت آیا

اے نورِ عین ! مضطر تیرا چچا نقی ہے
سہرے کے بدلے اس نے تجھ کو کفن پہنایا

محروم دید سب کو تا حشر کر دیا ہے
اے خاکِ تیرہ ! تو نے اس طرح سے چھپایا

تاریخ شمس نے لکھی سرولا سے
حیات قبر میں ہے روشن قمر ہمارا

(بہ تعمیہ "واؤ"، ۱۹۸۸ء)

قطعہ تاریخ

(المناک حادثہ)

(بہ وفاتِ پروفیسر منظور حسین شور)

شور تھا لاریب ایک صنفِ سخن کا شہریار
اس کی رحلت سے تمام اہلِ سخن ہیں سوگوار
شمس نے لکھی کرن کے سر سے تاریخِ وفات
گر پڑا اردو کے سر سے حیف تاجِ زرنگار

(بہ تعمیہ ک ۱۹۹۶ء)

نوائے دل خراش

(بحادثۂ غرق قاسم عباس مرحوم)

جوانِ رعنا تھا قاسم قمر کا نورالعین
جناب قبلہ و کعبہ رضی کے دل کا چین

وہ ایسا مہر تھا جو رات دن چمکتا تھا
اسی کی روشنی تھی سارے گھر کی زینت و زین

ابھی تھی اٹھتی جوانی مگر نہ راس آئی
وہ غرقِ بحرِ اجل ہو گیا دمِ ظہرین

تھی اس کی ماں کو تمنا کہ لائے اس کی دولہن
مگر تھا بخت میں اس کے یہ داغ اور شیون و شین

عطا کرے اسے ربِ جلیل صبرِ جمیل
یہی ہے موجبِ اجر جزیل فی الدارین

وہ کربلا میں ذرا دیکھے شاہِ دیں کا جہاد
کہ جس کا مثل نہ خندق ہے اور نہ بدر و حنین

کہاں خلیلِ خدا ہیں کدھر ہیں اسمعیل
جواں بیٹے کی میت اٹھا رہے ہیں حسین

اجڑ گیا ہے بھرا گھر جناب زہرا کا
ہوا ہے خاتمہ آلِ سید الحرمین

" نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے "
اکیلا نرغے میں ہے فاطمہ کا نورالعین

لگا رہے ہیں عدو زخم ہائے تیر و سناں
بہا رہے ہیں لعیں خونِ سرورِ کونین

گرا وہ پشتِ فرس سے زمینِ گرم پہ آہ
درِ یگانہ در یائے مجمع البحرین

وہ آیا شمر لعیں اور جدا کیا سر کو
صدا یہ آئی ہوئے قتل کربلا میں حسینؑ

لرز رہی ہے زمیں کانپتا ہے عرشِ بریں
سیاہ آندھیاں اٹھی ہیں دشت کے مابین

جلا رہے ہیں عدو خیمہ ہائے اہلِ حرم
نکل رہی ہیں نبی زادیاں بہ شیون و شین

مثال مل نہیں سکتی جہاں میں اس دن کی
یہ امتحان ہیں معبود و عبد کے مابین

اسی کی یاد سے ہو گا سکونِ قلب نصیب
کسی کی موت سے جب ہو کسی کا دل بے چین

کہا یہ مصرعِ تاریخ شمسِ محزوں نے
ملے گا خلد میں قاسم کو بھی جوارِ حسینؑ

۱۴۱۷ھ

داستانِ جگر خراش

(اپنی بیٹی شاہدہ خاتون کی موت پر)

سنیئے اب حالِ شمسِ خستہ جگر
موت نے ظلم کیا کیا اس پر

داستان جگر خراش ہے یہ
اس کا ایک ایک لفظ ہے نشتر
گر پڑا اس پہ ایسا کوہ الم
جس سے حال اس کا ہو گیا ابتر

حادثہ ایسا کم ہوا ہو گا
اس سے کتنا پڑا ہے اس پہ اثر

اس کا اظہار ہو نہیں سکتا
اس نے آنکھوں سے دیکھا جو منظر

اس کی روداد مختصر یہ ہے
شاہدہ تھی جو اس کی نورِ نظر

اس نے دم اس کے سامنے توڑا
اور وہ دیکھا کیا بدیدۂ تر

کتنی عبرت کی جا ہے یہ دنیا
موت بیٹی کو آئی ہے پیشِ پدر

کوئی غم اس جہانِ فانی میں
غمِ اولاد سے نہیں بڑھ کر

کچھ مشیت میں اس کی دخل نہیں
ہے یہی امتحانِ مال و ثمر

اس پہ بھی صبر و شکر لازم ہے
حسبِ ارشادِ خالقِ اکبر

موت سے بچ سکے گا کون یہاں
رہے دنیا میں جب نہ خیرِ بشر

شاہدہ بھی انھی کی نسل سے تھی
اور انھی کی طرح تھی ایک بشر

موت اس کے لیے بھی لازم تھی
اتنی جلدی امید تھی نہ مگر

ابھی دنیا میں کتنے دن دیکھے
کہ ہوئی شام زندگی کی سحر

عمر کی اس قلیل مدت میں
کار دیں کر گئی ہے بڑھ چڑھ کر

زائرہ تھی وہ سب مشاہد کی
اس نے عمرے کا بھی کیا تھا سفر

اک عبادت اسے سمجھتی تھی
مجلسیں کرتی تھی جو وہ گھر پر

اس کے دل میں تھا فرض کا احساس
تھی وہ پابندِ شرعِ پیغمبر

سیر و تفریح سے نہ تھا سروکار
وہ نکلتی نہ تھی کبھی باہر

شمعِ کاشانہ سلیم تھی وہ
اس نے پیدا کیے ہیں لال و گہر

یعنی اولادیں اس کی سب ہیں سعید
یہ بھی ہے اس کی تربیت کا اثر

خوش مزاج اور نیک سیرت تھی
اس میں تھا حسنِ خلق کا جوہر

شادی و غم میں تھی وہ سب کی شریک
اس کے غم کا دلوں میں ہے نشتر

خاص کر میرے واسطے یہ الم
ہے حدِ صبر و ضبط سے باہر

ہوک سی اک دل میں اٹھتی ہے
شکل رہتی ہے اس کی پیش نظر

اس کا غم ہے کہ شعلہ آتش
جو بھڑکتا ہے دل میں رہ رہ کر

آہ کس طرح اس کو صبر کروں
وہ بھی تھی ایک سرورِ قلب و جگر

منتظر ہم تھے دعوتِ حق کے
ہم سے پہلے ہی کر گئی وہ سفر

کیسا یہ انقلاب گردوں ہے
دیکھ کر جس کو سب ہوئے ششدر

موت آئی جوان بیٹی کو
رونے کو زندہ ہے ضعیف پدر

دے خدا نفسِ مطمئن اس کو
کہ یہی ہے مصیبتوں کی سپر

شمس کے دل سے نکلی یہ تاریخ
بخش دے اس کو خالق اکبر

(بتعمیہ م ۱۹۹۷ء)

ایضاً

شاہدہ چوں ز دارِ دنیا رفت
دلم از رحلتش شدہ غمگین

شمس تاریخ گفت از سر بزم
مامن شاہدہ بہشتِ بریں

(بتعمیہ ہا ۱۴۱۷ھ)

بے ثباتی دنیا

ہے یہ دنیائے فانی راہگزر
اس میں رکتا نہیں کوئی دم بھر

تیز رفتار وقت کے ہمراہ
زندگی سب کی کر رہی ہے سفر

جن ہوں یا انس یا نبات و جمات
اس سفر سے نہیں کسی کو مفر

موت ہے سب کی منزل آخر
قطع کر کے وہ زندگی کا سفر

بھیج دیتی ہے سب کو ملک عدم
یہ عمل اس کا جاری ہے سب پر

اس کا یہ روز کا کرشمہ ہے
کیجیے غور سے نظر اس پر

اس نے کس طرح سے بنایا ہے
اسی دنیا میں ایک جہانِ دیگر

دیکھیے اس کو چشمِ بینا سے
انقلاب آئے گا وہاں یہ نظر

کل جو قصرِ بلند کے تھے مکیں
آج وہ ہیں زمین کے اندر

وہ بھی اک فاتحہ کے ہیں محتاج
جو لٹاتے تھے کل زر و گوہر

کل جو تھے بزمِ عیش کی زینت
آج اکیلے ہیں قبر کے اندر

پھولوں کی سیج پہ جو سوتے تھے
خاک ہے ان کا بالش و بستر

پاؤں رکھتے نہ تھے زمیں پر جو
دب گئے وہ زمین کے اندر

ہفتِ افلاک پہ تھا جس کا دماغ
ان کا زیرِ زمین ہے کاسہ سر

سر پہ کل جن کے تاج شاہی تھا
آج ہیں قبر میں وہ خاک بسر

آج اس جا ہے آشیانہ بوم
کل جہاں بلبلیں تھیں اور گل تر

کل تلک جو زمین تھی رشک چمن
آج سبزہ وہاں ہے اور نہ شجر

نوبتیں بجتی تھیں جہاں دن رات
آج سنسان ہو گیا ہے وہ گھر

کل جہاں پر تھا قصر کسری کا
آج بس طاق آرہا ہے نظر

کل جو تھا قصر خسر و جم کا
آج وہ گر کے ہو گیا ہے کھنڈر

ہے یہی شغل موت کا دن رات
کرتی رہتی ہے وہ ادھر سے ادھر

شمس تم کو بھی ہے سفر درپیش
جمع کر لو وہاں کا زادِ سفر

قطعہ تاریخ

(صحیفہ مدحت شاعر معجز بیان حضرت ساحر لکھنوی)

کمال فن سخن ہیں خصائل ساحر
حذالت ان میں ہے سودا کی ذوق کی شوکت
منیر کی ہے سلاست زبان محشر کی
صفی کا اوج مضامیں عزیز کی جدت

نظیر کوئی نہیں ان کا عصرِ حاضر میں
خدا کی دین ہے ان کے کلام کی رفعت
یہ کی ہے شمس نے تاریخ طبع اس کی رقم
ہے گلِ ریاضِ ہنر کا صحیفۂ مدحت

(۱۹۹۷ء)

قطعہ تاریخ

(بتقریبِ عقد مسنونہ اپنے نواسے عارف رضا کی شادی)

عقد عارف کا نبیلہ سے مبارک سب کو
جس قدر بھی ہو خوشی اس کی وہ ہم سب کو ہے کم
اب خدا سے یہ دعا ہے کہ خداوندِ قدیر
رکھے ان دونوں کو دنیا میں ہمیشہ خرم

گود آباد نبیلہ کی ہو جلدی یا رب
ایک فرزند عطا ہو اسے ذی جاہ و حشم
شمس نے سالِ عروسی یہ کہا برجستہ
اقترانِ مہ و خورشید ہوا ہے باہم

۱۹۹۸ء

نظم

حسبِ حال، تصنیفِ حال

اب حال شمس کہنے کے قابل نہیں رہا
جو دل تھا اس کے سینے میں، وہ دل نہیں رہا

سر سے دماغ ، نور بصر سے نکل گیا
اب وہ غریب ، درخورِ محفل نہیں رہا

رخصت ہوئے قوائے عمل کہہ کے الوداع
اب موت و زیستِ میں کوئی فاصل نہیں رہا

آزاد زندگی سے بقیہِ حیات ہے
اس طرح جینے کا کوئی حاصل نہیں رہا

ہاں! یہ بھی اک کرشمۂ طولِ حیات ہے
زندہ ہے اور زندوں میں شامل نہیں رہا

رکتا نہیں سفینۂ عمرِ رواں کہیں
کیا اس کے واسطے کوئی ساحل نہیں رہا؟

اتنا ضعیف کر دیا پیری نے شمس کو
اب دم بھی توڑنے کے وہ قابل نہیں رہا

تاریخ ہائے وفاتِ شمس مرحوم

(بقلم خود مرقوم)

جب گیا شمس بزیرِ تربت
ہو گئی دور زمیں کی ظلمت
کہی تاریخِ فوت رضواں نے
منزلِ شمس ہے باغِ جنت

۱۹۹۸ء

ایضاً

اب تک نہ کھل سکا یہ مشیت کا ہے وہ راز
کب بند ہو گا زیست کا جو بج رہا ہے ساز
کل تک تھے شمس زینت کاشانہ حیات
آج ان کے واسطے درِ جنت ہوا ہے باز
تاریخ ارتحال یہ شاعر نے کی رقم
جنت ہے اب سے مامنِ شمس سخن طراز
اب گلشن جناح میں ہے شمسِ صحن طراز

ایضاً

جب گیا شمس بزیرِ تربت
ہو گئی دور زمیں کی ظلمت
کہی تاریخ فوت رضواں نے

مامنِ شمس ہے ارضِ جنت
مامنِ شمس ہے باغ جنت
(۲۰۰۲ء)

ایضاً

لبریز میری عمر کا پیمانہ ہو گیا
مدت کے بعد ختم یہ افسانہ ہو گیا
تشریف لائے نزع میں حلالِ مشکلات
پیشِ نگاہ جلوہ جانانہ ہو گیا
رضواں نے دی صدا کہ زہے قسمتِ رسا
دیدارِ شہ نجات کا پروانہ ہو گیا
تاریخ فوت میں نے کہی از سر بلند
باغ نعیم شمس کا کاشانہ ہو گیا
(بہ تعمیہ با ۲۰۰۱۵ء)

تاریخ فوت میں نے کہی از سر ادب

باغ نعیم شمس کا کاشانہ ہو گیا

(بہ تعمیہ الف ۲۰۰۱۴ء)

تاریخ فوت میں نے یہ برجستہ کی رقم

باغ نعیم شمس کا کاشانہ ہو گیا

(۲۰۰۱۳ء)

عرضِ نعیم شمس کا کاشانہ ہو گیا

(۱۴۱۲ھ)

باغ جناح میں شمس کا کاشانہ ہو گیا

(۱۴۳۴ھ)

قصرالنعیم شمس کا کاشانہ ہو گیا

(۱۴۲۹ھ)

بیت نعیم شمس کا کاشانہ ہو گیا

(۱۴۲۲ھ)

ایضاً

جب گیا تا شمس بزیر تربت

ہو گئی دور زمیں کی ظلمت

کہی تاریخ فوت رضواں نے

مسکنِ شمس ہے قصر جنت

(۱۴۲۸ھ)

ایضاً

شمس چوں رفت بزیر تربت

دور از خاک سیہ شد ظلمت

گفت تاریخ وفاتش رضواں

مرقدِ شمس و ارقع جنت

(۱۴۲۷ھ)

ایضاً

شمس کچھ کر سکا نہ کارِ ثواب
عمر ساری گزاری غلفت میں
ہے کریم و رحیم ربِ غفور
بخشے اس کے گناہ قیامت میں

کہی تاریخ فوت رضواں نے
شمس اب ہیں جوارِ رحمت میں
(۱۴۲۶ھ)

اعترافِ حقیقت

(اپنی کتاب لکھنؤ کی زبان کا ابتدائیہ)

لکھنؤ زیست کا اردو کی سہارا تو ہے
اوج معنی کا چمکتا ہوا تارا تو ہے

تیرے ہر ذرے میں تہذیب کی دنیا آباد
مشرقی طرزِ سخن کا چمن آرا تو ہے

شانہ کش ہے تیری مشاطۂ علم و حکمت
دست تہذیب و تمدن کا سنوارا تو ہے

زلفِ الہام کا شانہ ہے تیری گویائی
قلزم شجر کا بہتا ہوا دھارا تو ہے

ناز کرتے ہیں علومِ عربیہ تجھ پر
ہند میں آج سمر قند بخارا تو ہے

گیسوئے شاہدِ معنی تھے پریشاں کب سے
جس نے اس زلف پریشان کو سنوارا تو ہے

ناخدا ہو چکے جب باد مخالف سے تباہ
جس نے اس ڈوبتی کشتی کو ابھارا تو ہے

جس کی تخلیق ہے ناسخ کی رہن منت
اسی مقیاس کا چڑھتا ہوا پارا تو ہے

ہر ادا جن کی ہے ایک معجزۂ سحر جلال
انھیں جادو بھری آنکھوں کا اشارہ تو ہے

آفقِ شعر و سخن پر صفتِ قطبِ شمال
جو نکل کر کبھی ڈوبا نہ وہ تارا تو ہے

شاعری آج بھی کہتی ہے باآواز بلند
ہم جہاں میں ہیں تیرے اور ہمارا تو ہے

غزلیات

میری غزلوں کے اشعار چودہ برس کے سن سے اکیس برس کے سن تک کے جس قدر حاصل ہوئے ہیں، اسی طرح ردیف وار مرتب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں - ان پر نظرِ ثانی اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ اس زمانہ کا کلام باقی نہ رہتا۔

○○○

(ایک ہی ردیف اور قافیے میں پوری غزل)

کمبخت ہو برا دل خانہ خراب کا!
مجھ پر عذاب کر دیا عالم شباب کا

دیکھا گیا جو نامہ اعمال حشر میں
قصہ لکھا تھا میرے اور ان کے شباب کا

ہیں یاد اس کی آج تلک دلفریبیاں
کچھ دیر خواب دیکھا تھا ہم نے شباب کا

میرے لیے تو دونوں قیامت سے کم نہ تھے
طفلی کا ان کی عہد، زمانہ شباب کا

دیکھی جو اچھی شکل، طبیعت مچل گئی
کچھ پوچھیے نہ حال ہمارے شباب کا

عالم میں غفلتوں کا وہ دونوں گزر گئے
طفلی کا عہد اور زمانہ شباب کا

ہم نے بھی دل کو تھام لیا سن کے یہ خبر
اب آ گیا ہے ان کا زمانہ شباب کا

گرمی بڑھی ، رگوں میں لہو دوڑنے لگا
پیری میں یاد آیا زمانہ شباب کا

ہوتی ہیں دردِ دل میں بھی محسوس لذتیں
ہے حاصلِ حیات زمانہ شباب کا

غزل

دم نکلتا ہے تیری زلف کے سودائی کا
جھلملاتا ہے ستارا شبِ تنہائی کا

کتنے ہی پائے صنم پر کیے سجدے میں نے
پھر بھی پورا نہ ہوا شوق جبیں سائی کا

مسکراہٹ لبِ نازک پہ ، نگاہیں نیچی
کس سے سیکھا ہے یہ انداز دلآرائی کا

آ گیا ان کا شباب ، ان کی نگاہیں بدلی
بڑھ گیا شوق انھیں کچھ ستم آرائی کا

جلوے اس حسن جہاں تاب کے پھیلے ہر سو
جب ہوا شوق انھیں انجمن آرائی کا

دفن کر کے مجھے رخصت ہوئے یار و احباب
طول اب حشر تلک ہے شبِ تنہائی کا

غزل

تختۂ مشق ستم و جور بناتا کس کو
وہ مرے مرنے پہ اس واسطے راضی نہ ہوا

گھر کو بھی کر دیا ویرانہ میں شامل میں نے
ذوقِ وحشت کو میرے وہ بھی تو کافی نہ ہوا

نہ ہوا اس پہ بھی ، وہ شوخ ، وفا کا قائل
ظلم ہنس ہنس کے سہے اور کبھی شاکی نہ ہوا

دوں کس امید پہ اب جان کہ وہ ظلم شعار
کوچہ میں اپنے میرے دفن پہ راضی نہ ہوا

جس نے ان مست نگاہوں سے ملائیں آنکھیں
پھر وہ منت کشِ پیمانہ ساقی نہ ہوا

بادہ گر خلد میں ہے سب کے لیے امر مباح
جس نے مسجد میں پیا ، وہ بھی تو عاصی نہ ہوا

دل میں جب ہوک اٹھی ضبط فغاں کر نہ سکا
راز اس گھر کا جو تھا ، مجھ سے وہ مخفی نہ ہوا

عمر جس دشت میں مجنوں نے گزاری اپنی
وہ میرے جوشِ جنوں کے لیے کافی نہ ہوا

خاک کے ذروں سے اف اف کی صدا آتی ہے
میرا افسانۂ غم قصۂ ماضی نہ ہوا

کیوں نہ پھر غش پہ غش مجھے آئے
ان کو آغوش میں لیے ہے شباب

زلفیں بکھری ہیں روئے انور پر
جانِ عاشق پہ ہے دو گونہ عذاب

بھیجا مسجد سے میکدہ کی طرف
شیخ کو بھی دکھا دی راہِ ثواب

حسرتیں ساری مر گئیں دل کی
کیسا آباد گھر ہوا ہے خراب!

موسمِ گل ہو ، ساغرِ مل ہو
بتِ رعنا ہو اور عہدِ شباب

بھیجا ظالم نے عیادت کے لیے ایک رقیب
اس کا آنا ہی کم از آمدِ افعی نہ ہوا

غزل

بچپنا گزرا آیا عہدِ شباب
اڑ گئی نیند ، دیکھنے لگا خواب

چاندنی پھیلی ہے مرے گھر میں
جاگتا ہوں کہ دیکھتا ہوں خواب

طالبِ دید پر گری بجلی
چاہنے والے کا یہی تھا جواب

نہ رہے پھر نماز کی حاجت
شیخ گر پی لیں ایک جامِ شراب

آسماں پر جو ماہِ کامل ہے
ہم نے دیکھا زمیں پہ اس کا جواب

دردِ دل شیخ کیا جانے
ان کی فطرت ہی کچھ ہے خراب

شیخ قدر ان بتوں کی کیا جانے
ہیں یہی رونقِ جہانِ خراب

دل دیا ، دل کو دیں تمنائیں
ہو گئے دونوں مبتلائے عذاب

غزل

ہے شانہ کش رقیب جو گیسوئے یار میں
رگ رگ ہے میرے دل کی غضب کے فشار میں

آدم بھی آ کے روئے یہاں ہجر یار میں
یہ رسم ہے قدیم اس اجڑے دیار میں

جاگے تھے شب کو ، سوئے ہیں دن کو مزار میں
دنیا ہوئی ادھر کی ادھر ہجر یار میں

جادو بھرا تھا اس نگہ شرمسار میں
ملتے ہی آنکھ ، دل نہ رہا اختیار میں

ہم تنکے چن رہے ہیں نشیمن کے واسطے
بجلی چھپی ہے دامنِ ابر بہار میں

آئے عدم سے گلشنِ ہستی کی سیر کو
دامن الجھ گیا ہے یہاں خارزار میں

آنکھیں لگی ہیں در پر نکلتا نہیں ہے دم
ٹھہری ہوئی ہے روح تیرے انتظار میں

جوش جنوں نے دشت کو گلزار کر دیا
ہے خون میرے پاؤں کا ہر نوکِ خار میں

گیسو کی یاد ہے ، کبھی رخ کا خیال ہے
کٹتی ہے عمر اب اسی لیل و نہار میں

منبر میں جا کے دیکھیے واعظ کا حالِ زار
پرہیز مے زباں پر ہے ، آنکھیں خمار میں

سب زخم سر ہرے ہیں قبا ہے لہو میں تر
لایا ہے رنگ جوش جنوں پھر بہار میں

قاتل کو میرے سمجھے تھے دشمن کوئی مرا
نکلا تلاش سے وہ مرے دوستدار میں

عشقِ بتاں نے کر دیا میرا تباہ حال
کس کو ہے دخل مصلحتِ کردگار میں

یاں جوشِ گریہ اور وہاں حکم ضبط ہے
پڑ جاتی ہے گرہ مرے اشکوں کے تار میں

گردش پہ اپنی ، شمس ! مجھے صبر آگیا
کس کو ملا سکوں اس اجڑے دیار میں

غزل

ہوا نے یہ کیا احساں کہ جا کر ان کے ایواں میں
میرا رنگِ پریدہ بھر دیا تصویرِ جاناں میں

بگولے ہیں ، نہ صحرا ہے ، نہ سائیں سائیں آوازیں
لگے گا جی ہمارا کس طرح سے باغِ رضواں میں

انھیں کی یاد جنت میں بھی تڑپانے لگی دل کو
نہ دیکھیں جب ادائیں ان کی ایسی حور و غلماں میں

سنبھالے اپنا دامن اور قلم رکھنا باندازِ حیا پرور
قیامت کی ڈھائے گی رفتار یہ گور غریباں میں

بگولے ہیں فقط اک مونسِ تنہائی صحرا میں
انھیں کے ساتھ میں ہر سمت پھرتا ہوں بیاباں میں

نظر لگنے کا ان کے واسطے گنڈا بنانے کو
بچا رکھے ہیں میں نے تار کچھ اپنے گریباں میں

جنونِ عشق تھا مخصوص مجھ سے بعد مجنوں کے
نہ آیا بعد میرے کوئی دیوانہ بیاباں میں

مہ و معشوق ہو ، ابرِ بہاراں ہو ، گلستاں ہو
اسی کا نام جنت ہے نگاہِ ہوش منداں میں

نصیحت کے بہانہ سے جنابِ شیخ آئے ہیں
نظارہ کر رہے ہیں بیٹھ کر بزمِ حسیناں میں

پس مردن بھی ذوقِ دشتِ پیمائی رہا باقی
بگولہ بن کے میری خاک پھرتی ہے بیاباں میں

غزل

رسوا کرے مجھے کہ اسیرِ بلا کرے
جو چاہے وہ میرا دلِ درد آشنا کرے

راضی ہوں میں وہ قتل کرے یا جفا کرے
بس میں کسی کے دل نہ کسی کا خدا کرے!

موسیٰ نہ تاب لائے تبسم کی ایک دن
میں چاہتا ہوں روز یہ بجلی گرا کرے

میری طرح کا دل نہ کسی کو نصیب ہو
ان کی طرح جواں نہ کسی کو خدا کرے!

مقصود امتحاں مری ہمت کا ہے اگر
ہر روز آشیانہ پہ بجلی گرا کرے

بے کھٹکے آؤ حشر میں الٹے ہوئے نقاب
کس کی مجال ہے ، جو تمھارا گلا کرے

ہاں ! مسکرا کے ناز سے انگڑائی لیجیے
بجلی کسی کے دل پہ گرے تو گرا کرے

جس دل کی ، شمس ! کوئی نہ حسرت نکل سکے
مر جائے وہ غریب نہ آخر تو کیا کرے

غزل

کس طرح وہ عالم کو نہ دیوانہ بنا دے
یہ حسن ، یہ انداز و ادا جس کو خدا دے

دیکھی نہیں جاتی ہے کسی سے مری حالت
اب وہ بھی یہ کہتے ہیں ، " خدا اس کو شفا دے!"

پھر ہوش کے عالم میں بھلا آؤں میں کیونکر؟
غش میں مجھے دامن سے جو وہ اپنے ہوا دے

جانبازیٔ پروانہ پہ کیجیے نہ تعجب
قسمت ہے ، جسے ہمتِ مردانہ خدا دے

وہ دیکھ کے کہتے ہیں مری نزع میں الجھن
یوں موت جوانی میں کسی کو نہ خدا دے!

کیا جانے وہ ، کیا لطف ہے آشفتہ سری میں
جب تک نہ کسی کو دل دیوانہ خدا دے

موسیٰ ! طلبِ دید پہ اصرار نہ کیجیے
کیا ہو ، جو نقابِ رخِ روشن وہ اٹھا دے

خلقت کی زباں کا ہے یہ ادنیٰ سا کرشمہ
تھوڑی سی ہو بات ، اور وہ افسانہ بنا دے

آئے ہیں عیادت کو سرہانے دم آخر
اللہ مری نزع کے لمحات بڑھا دے!

کیوں سجدے میں اس کے نہ جھکیں سب کی جبینیں
اک خاک کے پتلے کو جو انسان بنا دے

ہے گودِ غریباں میں وہی شمس کا مدفن
تربت جو کوئی دل کے دھڑکنے کی صدا دے

غزل

(ایک ہی ردیف وقافیے میں پوری غزل)

ان کے نزدیک ناخدا کیا ہے
جو سمجھتے ہیں یہ خدا کیا ہے

بیخودی میں ہیں سجدہ ہائے نیاز
یہ نہیں جانتے خدا کیا ہے

سجدے ہائے صنم پہ کرتے ہیں
ہم نہیں جانتے خدا کیا ہے

جس نے ان حسین خلق کیا
عقل حیران ہے وہ خدا کیا ہے

کر دیا مبتلائے عشق بتاں
دیکھیں اب مرضی خدا کیا ہے

نہ برہمن کو خبر ہے نہ شیخ کو معلوم
کہ بت ہے اصل میں کیا چیز اور خدا کیا ہے

غزل

مجھ سے پوچھو وہ دلربا کیا ہے
اور قیامت کا سامنا کیا ہے

دیکھتے ہی بگڑ گئے تیور
کس سے کہتے مدعا کیا ہے

چارہ گر کیا سمجھ سکیں گے بھلا
درد کیسا ہے اور دوا کیا ہے

حسن کی اک ادا تغافل ہے
وہ نہیں جانتا جفا کیا ہے

مری حالت کو دیکھ کر سمجھو
حسن کیا چیز ہے ، ادا کیا ہے

دل میں رہ رہ کے ٹیس اٹھتی ہے
یا الہٰی ! یہ ماجرا کیا ہے
(مصرع غالب)

برق سوزاں سے عشق اور خواہش دید
اے کلیم آپ کو ہوا کیا ہے
(غالب)

غزل

آ رہا ہے ان کا اب عہدِ شباب
ظلم کی بنیاد ڈالی جائے گی

زندگی بھر ہم رہے محروم دید
ساتھ تصویرِ خیالی جائے گی

آ رہی ہے زلف ان کی تا قدم
کس کمر سے یہ سنبھالی جائے گی

سجدگاہِ عام ہو گا ان کا در
قید مسجد کی اٹھا لی جائے گی

ظلم ڈھانے والے یہ بھی جان لیں
آہِ مظلوماں نہ خالی جائے گی

سجدۂ بت سے اگر روکا گیا
اک نئی مسجد بنا لی جائے گی

فصلِ گل میں دعوتِ پیرِ مغاں
شیخ صاحب سے نہ ٹالی جائے گی

قفلِ زنداں آج کھولا جائے گا
لاش قیدی کی نکالی جائے گی

غزل

فتنہ زا ، وحشتِ فضا ، دام قضا ہوتے گئے
جس قدر بڑھتے گئے گیسو ، بلا ہوتے گئے

حسن بھی بڑھتا گیا ، جتنا شباب آتا گیا
دیکھنے کی چیز وہ نام خدا ہوتے گئے

جس قدر بڑھتا گیا سوزِ دروں عشاق کا
تیرگی گھٹتی گئی ، دل آئینہ ہوتے گئے

شمس ! کام آئیں نہ کچھ اپنی ضیا افشانیاں
روز گردش میں فلک کی مبتلا ہوتے گئے

غزل

کبھی دنیا میں پھر نہ ہو گی سحر
ہجر کی شب اگر سحر نہ ہوئی

ملتے ہی آنکھ اس فسوں گر سے
دل گیا اور ہمیں خبر نہ ہوئی

کچھ نہ پوچھو درازیِ شبِ ہجر
کٹ گئی عمر اور سحر نہ ہوئی

متفرق اشعار

دیکھا جو مجھ کو ، پھیر کے منہ مسکرا دیے
بجلی گری تڑپ کے دلِ بیقرار پر

کوئی ویرانہ میرے ذوق کے قابل نہ رہا
اب کہاں لے کے مجھے جائے گی وحشت میری

مے نوشیِ حق نے دارِ بقا میں بھی کی حلال
کہتا ہے شیخ ، دارِ فنا میں حرام ہے

ساقی کی چشمِ مست کا اللہ رے اثر
دیکھے سے جس کے ہوش اڑے یہ وہ جام ہے

قابو میں رکھے ابلقِ لیل و نہار کو
دیکھا نہ میں نے ایسا کسی شہسوار کو

اے خوشا عہدِ عدم ! فکر سے آزاد تھے ہم
ایک دن بھی نہ یہاں قیدِ محن سے نکلے

بجلی گرائی ، طور جلایا ، اڑائے ہوش
اتنا جلال اک ارنی کے سوال پر

نشانہ تیر مژگاں کا رقیبِ بدگماں کیوں ہو
اجل آئی ہوئی میری نصیبِ دشمناں کیوں ہو

ہوئے آغازِ عشق ہی میں ہلاک
غرق ہم ہو گئے لبِ ساحل

ہے عجب طرح کی یہ کشمکش موت و حیات
نہ میں جینے پہ ہوں راضی ، نہ وہ مر جانے پر

شعلہ عشق اگر دل میں فروزاں ہو جائے
بڑھ کے یہ قطرۂ خوں مہر درخشاں ہو جائے

آنکھ ساقی سے ملی جیسے ہی میخانہ میں
کھنچ کے مے آ گئی پیمانہ سے پیمانہ میں

حشر میں چھوڑ دیا دیکھ کے اترا ہوا منہ
آ چکا تھا مرے ہاتھوں میں گریباں ان کا

سامنا جب ہوا محشر میں تو کچھ نہ کہہ سکا
مجھ سے دیکھا نہ گیا ان کا پریشاں ہونا

لذتِ زندگی وہ کیا جانے
جس کو دردِ جگر نہیں ہوتا